اتحاد بین المسلمین کے تناظر میں صحابہ کرام کے اجتہادی اختلافات سے عصرِ حاضر میں استفادہ

Contemporary benefits of the Sahaaba's intellectual Differences in the context of Inter-Muslim Unity

MUHAMMAD HUSSAIN
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore
muhammadhussainazad123@gmail.com
Dr. MUHAMMAD AMIN
Pro. Department Of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore

ABSTRACT

In this world full of differences, the existence of differences is a natural thing. It should not be a cause of contention. Differences of understanding in the same event can lead to two different opinions, rather it has happened. In the life of the Holy Prophet whenever there was a problem, the companions turned to the Holy Prophet. Sometimes in his absence the used to adopt the option of Ijtihaad and jurisprudential opinions about the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) orders. If there was a mistake in their Ijtihaad, Holy Prophet corrected them. Sometimes it would happen that the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) would justify two completely different opinions on a matter. As it is found in the famous incident of performing the Asr prayer on the way back from the battle of Ahzab. It was learned that even among the Companions, differences arose based on understanding. And in the event of a disagreement, only one party doesn't need to be right. Differences in opinions create ways out of difficulties and, and religion is the name of ease .

It is also a democratic norm of a civilized society to accept the hard work and Ijtihad of the Mujtahideen with an open heart. And not only should their opinions and ideas be imposed on others by force, but they should be given the freedom to act according to any jurisprudence as they wish. Because all schools of thought are parts of the one whole and must be recognized. Disagreements are beneficial if they do not cause unrest. It opens a new avenue of progress and knowledge.

Keywords: Companions, Ijtihaad, Opinions, Mujtahideen, Differences, Expansion, Ease.

جس طرح اللہ رب العزت نے تمام انسانوں کو ایک جیسی شکل وصورت نہیں دی، ایک جیسے قد و قامت سے نہیں نوازا، ایک جیسا رنگ وروپ نہیں دیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے عقل وشعور اور معاملہ فہمی میں بھی فرق رکھا ہے۔اور اگر یہ تفاوت نہ ہوتا تو ایک جیسی شکل وصورت اور رنگ وروپ ہونے کی وجہ سے کتنے مسائل پیش آتے ؟ کوئی کسی کو پہچان ہی نہ سکتا۔نہ اپنے پرائے کو پہچاننا آسان ہوتا اور نہ ہی ظالم مظلوم، آقا و غلام غرض کسی کو بھی پہچاننا آسان نہ ہوتا۔اسی طرح سمجھ بوجھ اور معاملہ فہمی میں اختلاف کے بھی فوائد ہیں۔

ہر انسان اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق سوچتا ہے، ایک ہی کام کو کرنے کے لئے ہر انسان کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر معاملے کو سمجھنے کا انداز بھی ہر انسان کا مختلف ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مختلف اذہان میں مختلف سوچیں اور مختلف خیالات ابھرتے ہیں۔ اور مختلف مسائل و سوالات جنم لیتے ہیں۔

بالکل اسی طرح اجتہادی اختلافات کے بھی بہت سے فوائد ہیں۔ یعنی اجتہادی اختلافات کی وجہ سے ایک مسئلہ کئی زاویوں سے حل کیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ایک ہی مسئلے میں کئی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ شاید اسی وجہ سے نبی مکرّم ﷺ نے فرمایا کہ میری امّت میں اختلاف کا واقع ہونا باعثِ رحمت ہے[(1)]

نبی مکرّم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیّبہ میں کئی مواقع پر خود بھی اجتہاد فرمایا اور اپنے صحابہؓ کو بھی بوقتِ ضرورت اجتہاد کرنے کی تلقین فرمائی۔

علماء کا عمومی اتفاق رائے ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دنیوی اور عسکری معاملات میں اجتہاد کیا لیکن وہ اس حوالے سے اختلاف کرتے ہیں کہ آیا شرعی امور میں آپ ﷺ کے احکام کو اجتہاد کے ضمن میں رکھا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اشعریوں، معتزلہ، ابن حزم الظاہری اور کچھ حنابلہ اور شوافع علماء کے مطابق قرآن واضح ثبوت مہیا کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ہر قول وحی میں شریک ہے۔ ایک مخصوص حوالہ سورۃ النجم کی یہ آیت ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى () إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾[(2)]

''اور نہیں بولتے (آپ ﷺ) اپنے نفس کی خواہش سے، یہ تو وحی ہے جو اشارہ کی جاتی ہے۔''

یہ آیت اس حوالے سے دوٹوک ہے کہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ الوہی الہام سے ہدایت یافتہ ہیں اور ان کی کہی ہوئی تمام باتوں کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔ اس کا مطلب ہو گا کہ آپ ﷺ کے تمام احکام وحی پر مشتمل ہیں اور کوئی بھی اجتہاد کی صورت میں نہیں ہے۔[(3)]

---

(1) ابن الأثير جزري، مجد الدين أبو السعادات المبارك بن محمد بن محمد بن محمد ابن عبد الكريم الشيباني، (١٣٨٩هـ)، جامع الأصول في أحاديث الرسول، دار الكتب العلمية،قاهره، مصر، الطبعة الأولى،ج1، ص34

(2) سورة النجم، 53/ 3-4

(3) الشوكاني ، حمد بن علي بن محمد بن عبد الله، (الطبعة الأولى 1419هـ) إرشاد الفحول إلي تحقيق الحق من علم الأصول، دار الكتاب العربي،مصر، ج1، ص155

تاہم علماء کی اکثریت نے کہاہے کہ پیغمبر آخرالزماں ﷺ نے درحقیقت اجتہاد کیااور ایسا کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔ کہاجاتاہے کہ متعدد قرآنی آیات اس کاثبوت ہیں جہاں آپ ﷺ اور بقیہ اہل ایمان کو قرآن پر غور وخوض کرنے اور مخلوق دنیاکے متعلق سوچنے کی دعوت دی گئی ہے، جہاں تک سورۃ النجم کی آیت کا تعلق ہے توجمہور علماء نے کہاہے کہ یہاں قرآن کے حوالے سے بات ہورہی ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ کی کہی ہوئی ہر بات یاہر لفظ کے حوالے سے۔انہوں نے نشاندہی کی کہ اس آیت میں لفظ(هوىٰ) آیاہے جو قرآن کی جانب اشارہ کرتاہے۔؟اکثریتی نکتہ نظریہ بھی ہے کہ اس آیت کاشان نزول اس تفسیر کی تائید کرتاہے(یادرہے کہ یہ آیت ان مشرکین کی تردید میں نازل ہوئی جوقرآن کوآنحضرت ﷺ کاکلام قرار دیتے تھے نہ کہ کلام اللہ ؟۔اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے قیاس واجتہاد کے ذریعے اکثر استدلال سے کام لیااور وحی آنے تک تمام معاملات کو مؤخر نہ کیا۔[1]

اسی طرح سورۃالانفال کی ایک آیت میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾[2]

"نبی کو نہیں چاہیے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خون ریزی نہ کرے ملک میں۔"

یہ آیت جنگ بدر کے قیدیوں کے حوالے سے نازل ہوئی۔روایت کے مطابق دشمن کے 70 آدمی قیدی بنائے گئے۔آنحضرت ﷺ نے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مشورہ لیا جنھوں نے کہاکہ انہیں فدیہ لے کر رہا کردینا چاہیئے جبکہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی رائے تھی کہ ہر شخص اپنے قیدی رشتہ دار کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں قیدیوں کا معاوضہ وصول کرنے کو نا پسند کیاگیا۔

ایک اور جگہ سورۃ توبہ میں آپ ﷺ کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا:

﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ﴾[3]

(1)زہیر،اصول،ج4،ص227

(2)سورة الأنفال، 8/ 67

(3)سورة التوبة، 9/ 43

"اللہ آپ کو سلامت (اور باعزت وعافیت) رکھے آپ نے انہیں رخصت (ہی) کیوں دی (کہ وہ شریک جنگ نہ ہوں) یہاں تک کہ وہ لوگ (بھی) آپ کے لئے ظاہر ہو جاتے جو سچ بول رہے تھے اور آپ جھوٹ بولنے والوں کو (بھی) معلوم فرما لیتے۔"(1)

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ نے جنگ تبوک میں حصہ لینے والوں کو مستثنیٰ کیا تھا۔ قرآن میں یہ آیت اور دیگر آیات اشارہ کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کئی مواقع پر اجتہاد سے کام لیا۔(2)

صحابہ کرامؓ کے اجتہاد کے ثبوت میں اہم ترین حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ کی ہے۔ یہ حدیث محدثین کے علاوہ اصول فقہ کے تمام ائمہ نے بھی نقل کی ہے۔ خواہ ان کا تعلق حنفی مکتب سے ہو یا مالکی مکتب سے۔ وہ شافعی مذہب سے وابستہ ہوں یا حنبلی مذہب سے حدیثِ حضرت معاذ بن جبلؓ سب کے ہاں مقبول و مشہور ہے۔ اس حدیث کا آخری حصہ براہِ راست اجتہاد سے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس سوال پر کہ اگر تمہیں قرآن و سنت میں درپیش کسی مسئلہ کا حل نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا:

«إجتهد برأيي ولا آلو»(3)

"اس وقت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور غور و فکر کے ذریعہ کسی ثبوت تک پہنچنے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔"

اس جواب پر رسول اللہ ﷺ نے خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو اس قسم کی صورت حال میں اجتہاد کے ذریعہ مسائل حل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔(4)

صحابہ کرام میں اجتہادی اختلافات کے اسباب و محرکات

صحابہ کرام میں فقہی اختلافات رونما ہونے کی درج ذیل اہم وجوہات تھیں:

(1) قادری، محمد طاہر، ترجمہ عرفان القرآن، ص290

(2) کمالی، محمد ہاشم، (1430ھ) اسلامی فقہ کا انسائیکلوپیڈیا، مترجم یاسر جواد، مشتاق بک کارنر اردو بازار، لاہور، ص 426

(3) السِّجِسْتاني، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي، (1408ھ)، سنن أبي داود، محمد محيي الدين عبد الحميد، المكتبة العصرية، صيدا، بيروت ،الرقم: 3592

(4) أيضاً

شارع اسلام ﷺ کی عدم موجودگی

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرام کو جب کبھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ آپ کی طرف رجوع کرتے۔ اسی طرح اگر ان کے اجتہاد میں کوئی غلطی ہوتی تو آپ اس کی تصحیح فرمادیتے گویا صحابہ فقہی اختلاف کی صورت میں بھی نبی مکرّم ﷺ فیصلہ کرتے کہ کون حق پر ہے اور کون خطا پر ہے۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ آپ کسی معاملے اس دو مختلف اجتہادی آراء کو درست قرار دیتے جیسا کہ غزوۂ احزاب سے واپسی پر نمازِ عصر کے پڑھنے کا مشہور واقعہ ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یوں بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ غزوہ احزاب سے لوٹے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا بنو قریظہ میں پہنچ کر نماز عصر پڑھنا۔ راستے میں نماز کا وقت آگیا تو میں نے کہا جب تک ہم بنو قریظہ نہ پہنچ جائیں نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض صحابہؓ نے کہا نہیں رسول کریم ﷺ کی مراد یہ کی تھی کہ ہمیں نماز سے پہلے بنو قریظہ پہنچنا ہے لہٰذا انہوں نے راستے میں نماز پڑھ لی۔

"فذكر ذلك للنبيﷺ فلم يعنف واحدا منهم"[1]

"بعد میں آنحضرت ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان میں سے کسی فریق کو ملامت نہ کی۔"

لیکن آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب اسلامی سلطنت کافی وسیع ہوگئی تو مسلمانوں کو زمانے کے نت نئے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا فقہاء صحابہ کرام نے اپنے اپنے اجتہاد سے مختلف نئے مسائل کے جوابات دیئے اور وہ ان کی تصحیح کے لیے نبی کریم ﷺ کی طرف ظاہراً رجوع نہیں کرسکتے تھے ایسی صورت میں اختلاف رونما ہونا ممکن تھا۔

سماع حدیث کے اوقات میں تقدیم وتاخیر

صحابہ کرامؓ میں اختلافات رونما ہونے کی دوسری اہم وجہ سماعِ حدیث کے اوقات کا مختلف ہونا تھا۔ اس کی کئی صُورتیں تھیں۔

ایک صورت

بعض سفر وحضر، صحت وتندرستی غرض ہر وقت آپ (ﷺ) صحبت ومعیت میں گزارتے تھے۔ ان جیسے اصحاب صفہ جن کو ہمہ وقت آپ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل تھا۔

---

(1) البخاري، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن مغيرة، أبوعبد الله، الجعفي، (1422هـ)، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه، كتاب المغازي،باب مرجع النبي صلى الله عليه وسلم من الأحزاب،رقم الحديث: 4119

حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں: یقیناتم گمان کرتے ہو کہ ابوہریرہ کثرت احادیث بیان کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں غریب نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں ہر وقت خالی پیٹ حاضر رہتا جبکہ

"كان المهاجرون يشغلهم الصَّفْقُ بالأسواق وكانت الأنصار يشغلهم القيام على أموالهم"(1)

''مہاجرین بازار کے لین دین میں مصروف رہتے اور انصار کو بھی ان کے کاروبار مشغول رکھتے۔''

حضرت عمرؓ اجازت طلب کر کے آنے والی حدیث سے ناواقف تھے جب حضرت ابو موسی اشعریؓ نے ان کو یاد دلائی تو انہوں نے اس موقع پر فرمایا:

"أخفي هذه علي من أمر رسول الله الهاني الصفق بالأسواق يعني الخروج إلى تجارة"(2)

''رسول اللہ ﷺ کا حکم مجھے معلوم نہ تھا، میری تجارت میں مصروفیت کی وجہ سے''

دوسری صورت

بعض صحابہ نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضری کے اوقات مقرر کیے ہوئے تھے۔ ایک صحابی صبح سے شام تک آپ ﷺ کے ساتھ رہتا اور اس کا ساتھی روزگار کے سلسلے میں چلا جاتا۔ پھر دوسرا صحابی شام سے صبح تک آپ کے ساتھ رہنے کی۔ ملاقات پر دونوں ایک دوسرے کو آپ ﷺ کے ساتھ گزارنے وقت کی تفصیلات سے آگاہ کر دیتا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اسی طرح ایک صحابی کے ساتھ مل کر آپ کے پاس حاضری کے اوقات مقرر کر رہے تھے۔

تیسری صورت

آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ سے ایک بار یا صرف چند بار ملاقات کا موقع ملا اور وہ ساری احادیث سے واقف نہ تھے۔

(1)الشيباني، أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد، أبو عبد الله، (الطبعة الأولى، 1416ھ)، مسند الإمام أحمد بن حنبل، ت حمد محمد شاكر، دار الحديث، القاهرة، ، ج12، ص219

(2)البخاري، الصحيح ،كتاب البيوع، باب الخروج في التجارة، رقم الحديث: 2062

انداز فکر میں اختلاف

تیسری اہم وجہ سوچنے کی صلاحیتوں کا مختلف ہونا ہے۔اور ہر انسان کے سوچنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ لہٰذا جب کوئی بھی مسئلہ صحابہؓ کے سامنے پیش ہوتا تو ہر صحابی اپنے انداز فکر کی بنا پر قرآن یا حدیث سے اپنے دور کی ضروریات کو مد نظر رکھ کر فتوی دیتا ۔اس سوچنے کی مختلف زاویہ ہائے نگاہ کی وجہ سے بھی اختلاف رونما ہوئے۔

اجتہادی اختلافات کے دیگر اسباب

اول حدیث کے ثابت ہونے پر اختلاف

وہ اختلافات جو کسی حدیث کے ثابت ہونے یا نہ ہونے پر ہوئے اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

صحابی کی حدیث سے عدم معرفت

اس کی یہ صورت تھی کہ حدیث موجود ہوتی تھی مگر صحابی تک نہیں پہنچی ہوتی تھی چنانچہ کوئی معاملہ پیش آتا تو اس صحابی کو حدیث کا علم ہو جاتا۔اس کی درج ذیل مثالیں ہیں:

جیسا کہ گھر میں اجازت لے کر داخل ہونے والی حدیث سے حضرت عمر فاروقؓ ناواقف تھے تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے انہیں خبر دی۔اسی طرح وراثت میں دادی کے حصے کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ لاعلم تھے۔ان سے کسی نے سوال کیا تو انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا انہوں نے دیگر صحابہ کرامؓ سے اس بارے میں پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے گواہی دی کہ آپ نے دادی کو وراثت میں سے چھٹا حصہ دلوایا تھا۔[1]

اجتہاد کے بعد حدیث پر مطلع ہونا

اس کی صورت یہ ہوتی کہ بعض صحابہ کرامؓ کو کسی امر کے متعلق نبی کریم ﷺ کا حکم معلوم ہوتا لیکن دوسرے اس سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اسی مسئلہ میں اپنے اجتہاد سے کام لیتے اور اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور جب حدیث معلوم ہو جاتی تو اپنا اجتہاد واپس لے لیتے۔اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

(1) النسائي، سنن الكبرىٰ للنسائي،كتاب الفرائض، باب ذكر الجدات والأجداد، ومقادير نصيبهم، رقم الحديث: 6305

حضرت عمرؓ مجوسی سے جزیہ وصول نہ کرتے تھے حتی کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے انہیں بتایا کہ آپ ﷺ نے مقام ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔(1)

حضرت عمرؓ نے ہاتھ کی انگلیوں کی دیت کے بارے میں فتوی دیا کہ سب انگلیوں کی دیت یکساں نہیں بلکہ جو انگلی جتنی مفید ہے اسی قدر اس کی دیت زیادہ ہے اس کے بر خلاف آلِ عمرو بن حزمؓ کے پاس یہ حدیث موجود تھی کہ حضور ﷺ نے انگوٹھے اور چھنگلیا کی دیت برابر قرار دی تھی۔ تو اس حدیث کے معلوم ہونے پر حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔(2)

اسی طرح حضرت عمرؓ کے علم میں وہ حدیث بھی نہ تھی جس میں ہے بیوی اپنے خاوند کی دیت سے ورثہ پاتی ہے۔ جس تک کہ حضرت ضحاک بن سفیان القلابیؓ نے بتایا کہ نبی ﷺ نے اشیم الضبابی کی بیوی کو خاوند کی دیت سے ورثہ دلایا تھا۔

أَنَّ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ: الدِّيَةُ لِلْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا، حَتَّى كَتَبَ إِلَيْهِ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَرَّثَ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا» (3)

حضرت ابوہریرہؓ کی رائے تھی کہ اس شخص کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے جس نے حالت جنابت میں صبح کی ہو لیکن جب بعض ازواج مطہراتؓ نے نبی ﷺ کا عمل اس کے خلاف بیان کیا تو حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

اجتہادی خطا کے بعد حدیث نہ پہنچنا

ایسی صورتحال بھی بعض صحابہ کے ساتھ پیش آئی کہ کسی مسئلہ میں حضور کی حدیث موجود ہوتی لیکن ان کا اجتہاد اس کے برخلاف ہی رہا کیونکہ انہیں اس کے متعلق حدیث پہنچی ہی نہیں لہٰذا وہ رجوع نہ کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ غسل کرتے وقت اپنے بال کھول لیا کریں حضرت عائشہؓ کو پتہ چلا تو فرمایا ابن عمرؓ پر تعجب ہے۔ میں اور نبی ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے اور میں اپنے بالوں پر تین مرتبہ پانی بہانے کے سوا کچھ نہ کرتی۔(1)

---

(1)القرطبي، ابن عبد البر ، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد،(1387ھ)، التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية، المغرب ، ج12، ص65

(2)العينى، بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى،(1390ھ) عمدة القاري شرح صحيح البخاري، دار إحياء التراث العربي، بيروت، باب دية الأصابع، ج24، ص54

(3)القزويني،أبو عبد الله محمد بن يزيد، (1395ھ)، سنن ابن ماجه، دار إحياء الكتب العربية،بيروت، رقم الحديث: 2642

حضرت ہندؓ کو یہ پتہ نہ تھا کہ نبی ﷺ نے مستحاضہ کو استحاضہ کی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور وہ اس حالت میں نماز نہ پڑھتیں اور ترکِ نماز کے غم سے رویا کرتیں۔[(2)]

حضرت عمرؓ موزوں پر مسح کے لئے کسی مدت کے قائل نہ تھے اور جو شخص موزے پہنے ہوئے ہوا سے حکم دیتے کہ جب تک وہ انہیں اتارے نہیں ان پر مسح کرتا رہے۔[(3)]

راوی کی ثقاہت پر عدم اعتماد

تیسرا سبب راوی کی ثقاہت پر عدم اعتماد تھا نبی کریم ﷺ کی حدیث تو پہنچتی مگر ایسے قابل اطمینان طریقے سے نہیں پہنچتی کہ اس کے صحیح ہونے پر اطمینانِ قلب ہوتا اس لیے صحابی نے روایت کو ناقابل اعتماد سمجھتے ہوئے اپنے اجتہاد پر ہی عمل کیا۔ جیسا کہ مطلقہ بائنہ کے بارے میں حضرت عمرؓ نے فتویٰ دیا کہ اس کو نفقہ اور سکونت کا حق حاصل ہے جب انہیں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث معلوم ہوئی کہ تیسری طلاق کے بعد نبی ﷺ نے ان کو نفقہ اور سکونت سے محروم کر دیا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"لا نترك كتاب الله وسنة رسول الله ﷺ لقول امرأة لا ندري لعلها حفظت أو نسيت"[(4)]

"ہم اپنے پروردگار کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کو ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔"

اللہ کی کتاب سے ان کی مراد درج ذیل آیات

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾[(5)]

---

(1) مناع بن خليل القطان،(الطبعة الخامسة 1422ھ)، تاريخ التشريع الإسلامي، مكتبة وهبة، الرياض، ص226

(2)القشيري، مسلم بن الحجاج أبو الحسن النيسابوري،(1383ھ) المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله ﷺ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان، رقم الحديث: 333

(3)القرطبي، ابن عبد البر ابو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري، (1387ھ)، التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية، المغرب، ج11، ص150

(4) القشيرى،صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب المطلقة ثلاثة لا نفقة لها، رقم الحديث: 1480

(5) سورة الطلاق 65/ 1

''عدت میں ان مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں'' مگر یہ کہ کھلم کھلا کوئی بے حیائی کر بیٹھیں تو ان کو نکال دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾(1)

''تمام مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف مت پہنچاؤ اور اگر وہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو کھانے پینے کا خرچہ دو۔''

ان آیات کے عموم کے پیش نظر حضرت عمر فاروقؓ مطلقہ عورتوں کے نفقہ اور سکونت کے حق میں تھے اور قرآن کے اسی عموم کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی روایت رد کر دی۔

سہو و نسیان

اختلافاتِ صحابہ کرامؓ کا چوتھا سبب ان کی بھول چوک ہے جو کہ لازمۂ بشریت ہے۔ نسیان کی وجہ سے صحابی حدیث کے خلاف عمل کرتا یا اس کے برعکس فتوی دیتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک عمرہ ماہ رجب میں کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عمرؓ کو سہو ہوا ہے رسول اللہ ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔(2)

ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں جنبی ہو گیا اور پانی میسر نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو حضرت عمارؓ نے کہا امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ ایک فوجی دستے میں تھے اور جنبی ہو گئے تھے اور پانی موجود نہ تھا تو آپؓ نے نماز ادا نہ کی مگر میں نے اپنے آپ کو مٹی سے ملوث کر کے نماز پڑھ لی۔ بعد میں جب نبیؐ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہی کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر ان کو پھونکتے اور پھر اپنے چہرے اور

---

(1) سورة الطلاق 6/65

(1) السيواسي، ابن الهمام، كمال الدين محمد بن عبد الواحد ، فتح القدير، دار الفكر، بدون التاريخ، ج3، ص138

ہاتھوں پر مل لیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: حضرت عمارؓ اللہ سے ڈرو عمار نے کہا اگر آپ فرمائیں تو خدا کی قسم یہ حدیث بیان نہ کروں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"كلا والله لنولينك من ذلك ما توليت"(1)

" ہر گز نہیں اللہ کی قسم جو ذمہ داری آپ نے اپنے اوپر لے لی ہے ہم اسے آپ پر ہی ڈالتے ہیں۔

مطلب یہ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کی بات کو درست مان لیا۔

وہم و تعبیر

اختلاف کا پانچواں سبب یہ ہے کہ افعال رسول اللہ ﷺ کو ہر صحابی نے اپنے فہم اور انداز میں بیان کیا۔ آپ ﷺ نے حج ادا فرمایا اور تمام صحابہؓ نے اس کا مشاہدہ کیا لیکن اس حج کی نوعیت بیان کرتے ہوئے ان کا اندازہ مختلف تھا۔ کسی نے کہا آپ ﷺ نے حج تمتع کیا تھا، کسی نے کہا حج قران اور کسی نے حج افراد کا گمان کیا۔

اس کی دوسری مثال حضرت سعید بن جبیرؒ کی یہ روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ آپ ﷺ نے احرام حج باندھ لینے کے بعد جو تلبیہ فرمایا تھا، اس کے متعلق اصحاب رسول ﷺ میں اتفاق رائے نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا میں اِس واقعہ کی حقیقت سب سے بہتر جانتا ہوں۔ آپ نے چونکہ ایک ہی حج ادا فرمایا تھا اس لیے لوگوں میں اس کی تفصیلات کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ اصل صورت واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حج کے لیے مدینہ سے نکلے۔ آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز ادا کی۔ اسی جگہ حج کا احرام باندھا اور حج کے لئے تلبیہ کہا اس تلبیہ کی آواز کچھ لوگوں تک پہنچی انہوں نے اس کو یاد کر لیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ جب اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ نے پھر تلبیہ کہا۔ اور اس کو بھی کچھ لوگوں نے سنا۔ لوگ متفرق طور پر تھے۔ لہٰذا کوئی ایک عمرہ سے واقف تھا۔ اور دوسرے سے ناواقف تھا اونٹنی کے کھڑا ہونے کے وقت آپ ﷺ کو تلبیہ کہتے سنا تو وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ آپ نے تلبیہ صرف اس وقت کہا۔ اسی طرح آگے پہنچ کر بیداء نامی مقام کی بلندی پر چڑھے تو آپ ﷺ نے پھر تلبیہ کہا۔ جن لوگوں نے یہی سنا تو صرف اسی کو گمان کیا۔

"وأيم الله لقد أوجب في مصلاه وأهل وحين استقبلت به ناقته وأهل حين علا بعلى شرف البيداء"(1)

(1)السِّجِسْتاني، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي ،(1389ھ)، سنن أبي داود، رقم الحديث: 322

''اور قسم ہے اللہ کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جائے نماز پر بھی تلبیہ کہا، جب اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر کھڑی ہوئی اس وقت بھی اور جب بیداء کی بلندی پر چڑھے تو اس وقت بھی تلبیہ کہا۔''

ضبط مدعائے حدیث

اختلاف کا چھٹا سبب یہ ہے کہ بسا اوقات آپ ﷺ جو کچھ فرماتے اس کے اصلی اور حقیقی مفہوم کو ہر شخص اپنی گرفت میں نہ لے پاتا مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضور ﷺ سے یہ روایت بیان کی:

"إن الميت ليعذب ببكاء الحي"(2)

''میت کے پسماندگان کے نوحہ کرنے سے اس پر عذاب ہوتا ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے یہ الفاظ سنے تو فرمایا کہ ابن عمرؓ کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ انہوں نے فرمانِ رسالت ﷺ کو اس کے صحیح موقع و محل اور مدعا کے ساتھ محفوظ نہیں رکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی عورت کی قبر سے گزرے جس کے رشتہ دار اس پر رو رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا:

«أنهم يبكون عليها وإنها لتعذب في قبرها»(3)

'' یہ لوگ یہاں اس پر نوحہ وماتم کر رہے ہیں اور وہ قبر میں مبتلائے عذاب ہے۔''

مذکورہ واقعہ میں حکم خاص (یہودی) عورت سے متعلق تھا لیکن ابن عمرؓ نے گریہ وزاری کو میت پر عذاب کی وجہ قرار دے دیا۔

منسوخ حدیث پر عمل کرنا

اختلافات کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ کوئی صحابیؓ کسی حدیث پر عمل کرتا جب کہ وہ حکم منسوخ ہو چکا ہوتا لیکن وہ اس کے نسخ سے لاعلم ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کے علاوہ دیگر صحابہؓ کو اس کا علم ہوتا۔ اس کی مثال رکوع میں دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ملا کر رانوں کے درمیان رکھنے کی ہے۔ نبی ﷺ کا پہلے یہی عمل تھا لیکن بعد میں اسے منسوخ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تطبیق

(1) البيهقي، أبوبكر أحمد بن حسين بن علي بن عبد الله بن موسىٰ، (1390هـ)، السنن الصغير، مكتبة الدار، مدينة منورة، سعودى عرب، ج2، ص149

(2) النسائي، أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، أبو عبد الرحمن،(الطبعة الثانية، 1406)، المجتبى من السنن،مكتبة المطبوعات الإسلامية، رقم الحديث: 1856

(3) أيضاً، كتاب الجنائز، باب النياحة على الميت، رقم الحديث: 1856

الیدین پر ہی عمل رہا جب کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اس کے منسوخ ہونے پر مطلع تھے۔انہوں نے ابن مسعودؓ کو منع بھی فرمایا۔ جمہور صحابہ کرامؓ کا رکوع کی حالت میں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھنے کا عمل تھا۔[1]

حکمت حدیث پر عمل کرنا

صحابہ کرامؓ میں اختلاف،الفاظ حدیث اور حکمت حدیث پر عمل کرنے سے بھی ہوا آنحضرت ﷺ نے گمشدہ اونٹ کے بارے میں پوچھنے پر ایک صحابیؓ کو فرمایا:

"ما لك و لها معها حذاؤها وسقاؤها ترد الماء وتأكل الشجر حتى يلقاها ربها"[2]

”تمہارا اس سے کیا واسطہ اس کے پاس چلنے کے لئے جوتے ہیں اور پینے کے لئے پانی ذخیرہ ہوتا ہے۔وہ پانی پی لے گا اور درخت کے پتے کھالے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اس کو حاصل کرلے گا۔“

حضرت عمر فاروقؓ اس حدیث کے سبب اپنے زمانے میں بھولے بھٹکے اونٹوں کو آزاد نہ پھرنے دیتے تھے اور کچھ نہ کہتے تھے۔وہ بچے جنتے تھے کوئی ان کو ہاتھ نہ لگا سکتا لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے میں چونکہ حالات بدل گئے تھے تو آپؓ نے حدیث کی روح (جو اونٹوں کی حفاظت تھی) کے پیش نظر اونٹوں کی تعریف یعنی مالک کی تلاش کے لیے اعلان کا حکم دیا اس کے بعد وہ پکڑ کر فروخت کردیے جاتے تھے اور رقم بیت المال میں جمع کرلی جاتی۔جب ان کا مالک آتا تو اس کو اس کی قیمت ادا کردی جاتی۔

۲۔ تطبیق کے اختلافات

صحابہ کرامؓ میں وہ اختلافات جو کسی مسئلہ کے انطباق سے پیدا ہوئے،اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

لفظ مشترک کا معنی

اس کا ایک سبب لفظ مشترک کا پایا جانا ہے جس میں چند معنوں کا احتمال ہو۔مثلاً مندرجہ ذیل آیت میں لفظ قرء کے معنی میں اختلاف۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾[1]

---

(1) السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة،(1414ھ)، المبسوط، دار المعرفة، بيروت، ج1، ص19

(2) الكاساني، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي،(الطبعة الثانية، 1406ھ)، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، دار الكتب العلمية، ج1، ص208

''اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء (طہر یا حیض) تک روکے رکھیں۔''

قروء کا لفظ عربی زبان میں طہر اور حیض دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام کے مابین آزاد مطلقہ عورت کی عدت میں اختلاف ہوا۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام کے نزدیک اس کی عدت تین حیض اور بعض کے نزدیک تین طہر ہے۔ طہر مراد لینے والے صحابہ کرام میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ شامل ہیں جب کہ حیض مراد لینے والے صحابہ کرام میں حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو بکر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو موسی اشعری، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابو درداء، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت معاذ بن جبلؓ شامل ہیں۔

دو متعارض نصوص میں جمع و تطبیق

اس کی مثال قرآن میں یہ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾(2)

'' تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے (ہو وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) بے شک خدا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔''

دوسری آیت میں فرمایا:

(1) سورة البقرة2/ 228

(2) سورة النساء4/ 23

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ () إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴾(1)

''مومن وہ لوگ ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر کہ وہ ملامت کے سزاوار نہیں ہیں۔''

پہلی آیت کے عموم سے پتہ چلتا ہے کہ دو بہنوں کو بیک وقت جمع کرنا مطلقا حرام ہے خواہ یہ جمع نکاح کی بناپر ہو یا مملوکہ لونڈی کے ہونے کی وجہ سے۔ جبکہ دوسری آیت میں عمومی استثناء سے دولونڈی بہنوں کو بیک وقت جمع کرنے کا جواز ملتا ہے۔اس بناءپر صحابہؓ میں اختلاف ہوا۔

جمہور صحابہؓ کا مؤقف دولونڈی بہنوں کو جمع کرنے کے حرام ہونے کا ہے۔اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سورۃ النساء کی آیت ناسخ ہے جو سورۃ مومنون کی آیت میں عمومی استثنیٰ کو منسوخ کر رہی ہے۔ جبکہ حضرت علیؓ نے اس پر سکوت فرمایا یا دوسری روایت کے مطابق جائز قرار دیا۔ حضرت عثمانؓ اور ابن عباسؓ نے ان کے جمع کرنے کو مباح قرار دیا اور فرمایا:

"أحلتهما آية وحرمتهما آية"(2)

''ایک آیت نے ان کو حلال کیا اور دوسری آیت نے ان کو حرام کیا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس، ابو سعید خدری اور حضرت جابرؓ ضرورت کے وقت نکاح متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے جبکہ حضرت علی، عمر، ابن مسعود، ابن زبیرؓ اور دیگر اس کے باطل ہونے کا فتوی دیتے تھے۔

اس میں اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ خیبر سے قبل اس کی اجازت دی پھر فتح مکہ کے موقع پر منع کر دیا۔اس کے بعد پھر غزوۂ اوطاس کے موقع پر اجازت دی اور بعد میں پھر منع فرما دیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ ﷺ کے اس عمل سے یہ سمجھا کہ ضرورت کی بنا پر اجازت دی گئی اور ضرورت ختم ہونے پر ممانعت کر دی گئی مگر حکم اپنی جگہ باقی ہے۔اور جب ضرورت پڑے گی تو یہ جائز ہو جائے گا۔ لیکن ان کے علاوہ جمہور صحابہ کرامؓ کا موقف یہ ہے کہ ممانعت نے جواز

(1) سورة المؤمنون23/ 5، 6

(2)القرطبي ، علي بن أحمد بن سعيد، أبو محمد الأندلسي ،(1401ھ)، المحلى بالآثار، دار الفكر، بيروت، ج9، ص522

کے حکم کو منسوخ اور رخصت کے حکم کو کلیۃً زائل کردیا ہے۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ ابن عباسؓ نے اپنی آخری عمر میں جمہور کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

فعل رسول ﷺ کے تعین میں اختلاف

بعض اوقات صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کو کوئی کام کرتے ہوئے دیکھتے تو بعض اس کو عبادت پر محمول کرتے جب کہ بعض اس کو اتفاقیہ یا کسی سبب پر محمول کرتے لہٰذا جب سبب زائل ہو گیا تو اس کی ضرورت نہ رہی۔ جیسا کہ جمہور صحابہؓ کے نزدیک خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت اکڑ کر چلنا سنت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اسے مناسک میں شمار نہیں کرتے ان کے مطابق نبی ﷺ کا یہ عمل مشرکین کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے تھا کیونکہ مشرکین مسلمانوں کے بارے میں کہتے تھے:

"وهنتهم حمى يثرب"(1)

''مسلمانوں کو مدینہ کے بخار نے کمزور کر دیا۔''

لہٰذا علت کے ختم ہونے سے حکم باقی نہ رہا۔

اسی طرح ''تحصیب''، یعنی سفر حج کے دوران ابطح کی وادی میں ایام تشریق کے بعد منٰی سے واپسی پر آنحضرت ﷺ کا اترنا۔ اس کے تعین پر اختلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ کے نزدیک یہ عبادت ہے اور انہوں نے تحصیب کو حج کی سنت میں شمار کیا جبکہ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نزدیک یہ اترنا محض ایک اتفاقی امر تھا نہ کہ کسی سنت کے طور پر۔(2)

تعیین علت میں اختلاف

صحابہ کرامؓ میں اختلاف کا ایک سبب حکم کی علت متعین کرنے میں بھی ہے اس کی مثال جنازہ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی ہے آپ ﷺ نے ایک جنازہ گزرنے پر قیام کیا۔

حضرت ابو موسی اشعریؓ اور حضرت انسؓ بن مالک کا کہنا ہے کہ ایسا فرشتوں کی تعظیم کے لیے تھا۔(3)

---

(1)البخاري، الصحيح ،كتاب المغازي، باب عمرة القضاء، رقم الحديث: 4256

(2) الهيثمي، أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان،(1414هـ)، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مكتبة القدسي، القاهرة، ج3، ص282

(3)للبيهقي، السنن الكبرىٰ ، ج4، ص27

حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ کے مطابق یہ ذات باری تعالیٰ کی تعظیم کے لیے تھا جو روحوں کو قبض کرتی ہے۔[1]

حضرت حسن بن علیؓ کے مطابق یہودی کے جنازے پر آپ ﷺ اس لئے کھڑے ہوئے تاکہ وہ آپ کے سر سے اونچا نہ ہو جائے۔[2]

۳۔ غیر منصوص مسئلہ میں رائے پر اختلافات

صحابہ کرام کے دور میں جب کوئی نیا واقعہ رونما ہوتا تو وہ اس کا حکم قرآن میں تلاش کرتے۔ اگر وہاں موجود نہ ہوتا تو سنت رسول سے ڈھونڈتے اگر وہاں بھی نہ ملتا تو اپنی رائے سے اجتہاد کرتے۔ یہ اجتہاد بعض اوقات ایک دوسرے سے مختلف ہوتا۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

اموال کی تقسیم

حضرت ابو بکر صدیقؓ لوگوں میں برابر مال تقسیم فرماتے تھے کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ فرماتے مسلمان صرف اللہ کے لیے اسلام لائے ہیں اور ان کو اللہ کی طرف سے اجر ملے گا۔ دنیا تو صرف کمانے کا نام ہے۔ جبکہ حضرت عمر□ ان کے خلاف عمل کرتے تھے اور انہوں نے اموال کی تقسیم میں جہاد اور سبقت اسلام کو دیکھ کر لوگوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا اور فرمایا:

"لا نجعل من ترك دياره وأمواله مهاجر إلى النبي كمن دخل في الإسلام كرها ولا أجعل من قاتل رسول الله كمن قاتل معه"[3]

"ہم اس شخص کو جس نے اپنا گھر بار نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کرتے ہوئے چھوڑا مجبوراً اسلام قبول کرنے والے کی مانند قرار نہیں دیں گے اور نہ میں آپ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والے کو آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے والے کے برابر کر سکتا ہوں۔"

---

(1) الطحاوي، أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة، (الطبعة الأولى 1414ھ)، شرح معاني الآثار، عالم الكتب، ج1، ص486

(2) السجستانى، سنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، رقم الحديث: 3174

(3) الغزالي، بو حامد محمد بن محمد، (الطبعة الأولى، 1413ھ)، المستصفى، الناشر: دار الكتب العلمية،مصر، ص287

مرض الموت میں مبتلا شخص کی مطلقہ کی وراثت

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں طلاق دی تو حضرت عثمانؓ نے اس کی عدت گزرنے کے بعد، جب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ وفات فرما گئے تھے، ان کے ترکہ سے وراثت دلوائی اور حضرت عمرؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے عورت کو وراثت کا حقدار اس کی عدت کے زمانے میں ٹھہرایا ہے۔ اور اگر شوہر کی وفات کے وقت عورت کی عدت گزر چکی ہو تو حضرت عمرؓ اس عورت کے لئے وراثت کا حق نہیں مانتے۔[1]

احد الزوجین ہونے کی صورت میں والدین کا حصہ وراثت

اللہ تعالی نے والدہ کے لیے اولاد نہ ہونے کی صورت میں اور میت کے بہن بھائی ہونے کی صورت میں حصہ بیان کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ﴾[2]

"پھر اگر اس میت مورث کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث صرف اس کے ماں باپ ہوں تو اس کی ماں کے لیے تہائی ہے اور باقی سب باپ کا حصہ ہے پھر اگر مورث کے بہن بھائی ہوں تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔"

لیکن اس آیت کریمہ سے یہ وضاحت نہیں کہ جب زوج اور زوجہ میں سے کوئی ایک والدین کے ساتھ میراث میں حصہ دار ہو تو کیا صورت ہو گی؟ حدیث رسول میں بھی یہ مسئلہ بیان نہیں ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق □ کے دور میں یہ مسئلہ پیش نہ آیا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں یہ معاملہ پیش آیا تو انہوں نے اجتہاد کیا۔ پہلی صورت میں انہوں نے دیکھا کہ اگر شوہر کو نصف اور ماں کو تہائی حصہ دیا جائے تو باپ کے لئے صرف تہائی حصہ بچتا ہے اور یہ حکم درج ذیل آیت کے منافی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾[3]

" مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔"

---

(1) المؤطا لإمام مالك، ج4، ص822

(2) سورة النساء4/ 11

(3) سورة النساء4/ 11

اور اگر دوسری صورت کے مطابق بیوی کو چوتھائی حصہ اور ماں کو تہائی حصہ دیا جائے تو باپ کو کل 12 حصوں میں سے ایک حصہ ماں سے زائد ملتا ہے اس سے بھی ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ پر کما حقہ عمل نہیں ہوتا۔ لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ ترکہ شوہر یا بیوی کا حصہ دینے کے بعد تقسیم کیا جائے۔ اس طرح ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ پر عمل ہو جائے گا۔ اس بارے میں ان کی موافقت حضرت عثمان، زید بن ثابت اور عبد اللہ بن مسعودؓ نے کی جبکہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کی مخالفت کی اور کہا کہ ماں کے لئے مطلقاً تہائی حصہ ہے چاہے اس کے ساتھ شوہر ہو یا بیوی۔ نیز درج ذیل حدیث دلیل میں پیش کی جس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الحقوا الفرائض بأهلها فما بقي فهو لأولى رجل ذكر»[1]

"(وراثت کے) حصے ان کے اہل کو دے دو اور جو بچ جائے تو قریبی مرد کے لئے ہے۔"

اختلافات صحابہ اور عصری تقاضے

آج اگر ہم اختلافی مسائل پر غور کریں تو یہی سمجھ آتا ہے کہ ہر مؤقف کو اختیار کرنے والے کسی فقہ کے پیروکار ہیں اور ہر فقہ کا تعلق کسی نہ کسی صحابیؓ ہی سے ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کے متعلق جمہور محدثین کی رائے یہ ہے کہ " الصحابة كلهم عدول"[2] کہ "صحابہ کرامؓ تمام کے تمام عادل ہیں۔" تو صحابہ کرامؓ سے متعلق دین میں کسی قسم کے شذوذ یا معاندانہ اختلاف کی سوچ یا رائے رکھنا یقیناً گناہ ہے۔ لہٰذا ایک فقہ کے مقتدیوں کا دوسری فقہ کے مقتدیوں سے اختلاف کرتے ہوئے ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا حتیٰ کہ بعض اوقات مناظرے کرتے ہوئے کفر تک کے فتوے بھی ایک دوسرے پر لگائے جاتے ہیں جو کہ اپنے فقہی امام کی شان یا تعظیم کو بڑھانے کی بجائے سراسر دینِ اسلام کا نقصان اور اعدائے اسلام کے لئے اپنی شریعت کے خلاف استہزاء کے راستے آسان کرنا ہے۔

اس کے برعکس اگر ہم کھلے دل سے قبول کریں تو ان فقہی واجتہادی اختلافات سے دین میں بہت زیادہ وسعت اور آسانی پیدا ہوتی ہے۔ کسی بھی شریعت کا مقصد اپنے ماننے والوں کو مشکل میں ڈالنا یا ان میں اختلاف پیدا کرنا نہیں ہوتا بلکہ شریعت کا مقصود رب العالمین کی عبادت اور اس کے دیے گئے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اپنی شخصیت واخلاق کو سنوارنا اور دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا ہے۔ جیسا کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

(1)البخاري، الصحيح ،كتاب الفرائض، باب ميراث الولد من أبيه وأمه، رقم الحديث: 6732

(2) ملا علي قاري، علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي،(الطبعة الأولى، 1422هـ)، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، دار الفكر، بيروت – لبنان، ج1، ص120

" إن الدين يسر "[1]

"بے شک دین (اسلام) آسانی کا نام ہے۔

لٰہذا آسانی اسی میں ہے کہ کھلے دل سے مجتہدین کی محنت اور اجتہاد کو قبول کیا جائے۔اور صرف اپنی رائے اور خیالات کو ہی زبردستی دوسروں پر مسلّط نہ کیا جائے بلکہ وسعتِ ظرفی پیدا کرتے ہوئے لوگوں کو ان کی مرضی سے کسی بھی فقہ کے مطابق عمل کرنے دیا جائے کہ تمام فقہی وکلامی مکاتب فکر دینِ اسلام ہی کا حصّہ ہیں نہ کہ اس سے باہر کی کوئی چیز۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(1)البخاري، الصحيح ،كتاب الإيمان، باب: الدين يسر، رقم الحديث 39